

پروڈا کا مطالعہ

نعیہ صدیقی

کسی قوم کے سیاسی مقام اور اس کے حکمران گروہ کی ذہنیت کا مطالعہ جتنا اچھی طرح اس کی قانون سازی کی تاریخ سے لگایا جاسکتا ہے، شاید اور کسی طرح نہیں لگایا جاسکتا۔ جس طرح ایک فرد کے خواہش کوٹن کر ایک ماہر تجزیہ نفس اس کی ذہنی صحت یا اس کے ذہنی اختلال کو معلوم کر لیتا ہے، بالکل اسی طرح ایک ریاست کے دستور یا اس کے قانون کا تجزیہ کرنے سے حکمران گروہ کی ذہنی ساخت اور اس کا طرز فکر نمایاں ہو کے سامنے آجاتا ہے۔ قوانین کی دفعات، ان کے دیباچے (Preambles)، ان کے الفاظ، ان کا فائزہ اثر، ان پر عملدرآمد کے ضوابط، ان کے پیدا کردہ حقوق اور ان کے عطا کردہ اختیارات یہ حقیقت کمال کے سامنے رکھ دیتے ہیں کہ ریاست کا برسرِ اقتدار گروہ کس اصول اور نظرِ سیر پر کار بند ہے، یا وہ سرے سے کوئی اصول ہی نہیں رکھتا، محض ایک مفاد پرست اور موقع شناس ٹیم ہے جو اقتدار کا بیج جیتنے کے لئے ہر طرح کی چالیں چل رہی ہے۔ پھر قانون سازی کا مزاج اس بات کی غمازی بھی کر دیتا ہے کہ مقتدر ٹولی عوامی اعتماد کے بل پر کام کر رہی ہے یا جبر و تشدد اور مکر و افسوس کے بل پر خواہ مخواہ عوام کے کندھوں پر لدی ہوئی ہے۔ قانون سازی کی نوعیت اس راز کو بھی افشا کر دیتی ہے کہ کار پر وازان سلطنت ٹھوس گیر مکڑ کے لوگ ہیں اور ان میں کوئی حقیقی یکجہتی ہے، یا ان کی سیرت میں جھول ہے اور آپس میں ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ قانون سازی کی خطرناک شہادت بھی ہم پہنچاتی ہے کہ حکومت آیا دلیل سے اپنی بات منوانے والی ہے یا دلائل میں کمزور ہونے کی وجہ سے ڈنڈے سے دلیل کا کام لینے کی خوگر ہے۔

Public and Representative Offices

پروڈا P.R.O.D.A. مخفی ہے

Disqualification Act (1949)

فوقیت یافتہ عنصر اور قانون سازی | دنیا کے جس ملک میں کوئی فوقیت یافتہ طبقہ (Privileged Class)

یا کوئی فوقیت یافتہ تنظیم (Privileged Party) موجود ہوگی اس ملک میں جب تک کوئی اصولی تحریک پورے نظام کو بدل نہ دے، قانون سازی میں اسی فوقیت یافتہ عنصر کی ذہنیت بول رہی ہوگی اور حکومت اور قانون اور نظم و نسق تمام کا تمام اسی کے مفاد کے محم پر گھومتا رہے گا۔ سب سے پہلے تو جو دستور بنے گا میں اس کی بنیادوں میں فوقیت یافتہ عنصر کے امتیازی حقوق و اختیارات پرست ہوں گے۔ پھر وہ لازماً اپنی فوقیت اور اپنی امتیازی حیثیت کے تحفظ کے لئے چند مستبدانہ قوانین وجود میں لائے گا جن کو وہ حق اور دلیل کی طاقت کے خلاف برقت ضرورت استعمال کر سکے۔ مگر اکتفا اتنے ہی پر نہیں ہوگا، بلکہ ان مستبدانہ قوانین کی روح استبداد و بقیہ پوری قانون سازی میں سرایت کر جائے گی اور ایک ناقہ ذرا سے گھرے مطالعہ سے بظاہر ہر ایک معصوم قوانین کا بھی جائزہ لے گا تو وہ دیکھے گا کہ یہ سب ایک ہی شجرہ خبیث کے شگوختے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ درحقیقت کسی ملک کا ایک ایک قانون بجائے خود مستقل حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ پورا نظام قانونی ایک "کل" ہوتا ہے جس کے تمام اجزا باہم دگر مروط ہوتے ہیں۔ اس کی شاخیں اور کونپلیں اور پتے جہاں تک بھی پھیل جائیں اس کا تار اور اس کی جڑ ایک ہی ہوتی ہے، ساری شاخوں اور کونپلوں کو ایک ہی قسم کی غذا ملتی ہے۔ قانون کا پورا عضو باقی نظام ایک ہی ریڑھ کی ہڈی رکھتا ہے۔

پاکستان میں قانون سازی کا پس منظر | ظاہر بات ہے کہ ہمارے ملک میں ایک فوقیت یافتہ Privileged

طبقہ موجود ہے جو ہمارے بہت سے زمینداروں، جاگیرداروں، نوابوں اور چند کارخانہ داروں اور تاجروں پر مشتمل ہے۔ تقسیم ہند سے قبل یہ طبقہ انگریز کی سرپرستی میں بلکہ انگریز کے باقاعدہ منصوبے کے مطابق دنیا کی سیاست میں ارتقا کی منزلیں طے کرتا رہا ہے۔ اس طبقے کے چند نمایاں سیاسی افراد ہی تھے جو مسلم لیگ کی تحریک کے سربراہ کار بنے اور آخر جب ملک تقسیم ہوا تو انگریز نے اپنی جانشینی کے لئے سب سے زیادہ موزوں انہی کو پایا، کیونکہ آگے چل کر ہندو پاکستان سے جو فائدے اٹھانے تھے ان کے لئے یہ تربیت یافتہ لوگ ہی مفید مطلب ہو سکتے تھے۔ بنابرین اس نئے اقتدار کو عوام کے حوالے کرنے کے بجائے یہاں سے رخصت ہوتے وقت یہ غصب کردہ امانت اپنی منظور نظر ٹیم کے حوالے کر دی۔ حکومت پہلے ہی ایک

خاص فوقیت یافتہ طبقے کے تابع مفاد مسمیٰ۔ مگر اب اس فوقیت یافتہ طبقے میں سے بھی وہ اُن چند منتخب روزگار ہستیوں کی تحویل میں چلی گئی جو خود اپنے ہی طبقے کی دوسری ٹولیوں کی حریت تھیں !

ان حضرات کو جب ایک آزاد ملک کی مسندِ اقتدار پر بیٹھنے کا موقع ملا تو ان کے اصل جوہر کھلنے شروع ہوئے۔ یہ جوہر کھلے تو مسلم لیگ کی مقبولیت ختم ہونے لگی۔ مسلم لیگ کی مقبولیت میں زوال آیا تو رائے عام میں نئی فکری لہریں اُٹھنے لگیں۔ یہ لہریں اُٹھنے لگیں تو ادھر خطرات ہی خطرات محسوس کئے جانے لگے۔ خطرات محسوس ہوئے تو آپ سے آپ ایک ایمر جنسی کی حالت پیدا ہو گئی۔ اس ایمر جنسی کی حالت نے سیفیٹ ایلکٹوں اور سیفیٹ آرڈی فیسوں کو جنم دیا، اور پھر یہ سیفیٹ کی روح پورے قانونی نظام میں سرایت کر گئی۔

اس تاریخی مطالعے کی روشنی میں دنیا کا کوئی سمجھ دار آدمی چاہے تو پاکستان کے قوانین کو دیکھنے سے پہلے ہی بڑی اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے کہ ان حالات میں ہمارے ہاں کی قانون سازی کا رخ کیا ہوگا، اس کا مزاج کیسا ہو سکتا ہے، اس میں حکمران گروہ کی ذہنیت کا پرتو کس رنگ میں جھلکنے کی توقع کی جاسکتی ہے اس کی نگاہ میں عوام کے شہری حقوق کی قدر و قیمت کیا ہوگی، وہ اصول اور نقطہ نظر کے اختلاف کی کہاں تک گنجائش دے سکے گی، عدالتوں کے اختیارات کی حدود کو وہ کتنا محدود کرے گی، پریس اور اسٹیج سے وہ کیا سلوک کریگی، اور حکمران طاقت کو وہ کس حد تک خصوصی اور مستبدانہ اختیارات سے مستح کرے گی۔

یہ تمام اندازے جو ایک شخص یہاں کے سیاسی پس منظر کو جان لینے کے بعد کرے گا، اس کی پوری تصدیق یہاں کے قوانین کو دیکھنے سے ہو جائے گی۔ ہمارا سیرِ عالم انسانیت کے سامنے اس سارے دفترِ قانون پر ندامت سے جھک جانا چاہیے جو تقسیم کے بعد مرتب ہوا ہے۔

پروڈاکا مطالعہ | سبر دست ہم قانون سازی کے پورے کارنامے پر تبصرہ کرنے کے بجائے نامی گرامی قانون

۱۔ یہ حقیقت مزید افسوسناک ہے کہ ایک ایک کر کے مستبدانہ قوانین نافذ ہوتے چلے جا رہے ہیں اور محدود مدت کے لئے نہیں بلکہ ہماری کتابِ آئین کے مستقل ابواب بن رہے ہیں، لیکن قوم خاموشی سے ان کو انگیز کستی جا رہی ہے، کیونکہ رائے عام کو بنانے والی طاقتیں خود فرض ناشناس ہیں۔

”پروڈا“ پر تفصیلی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم اس قانون کا باقاعدہ تجزیہ کر کے اس کے پیچھے کام کرنے والے خاص محرکات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور اس کی گہرائی میں اتر کر اس کے حقیقی مقاصد کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ پروڈا کسی پس ماندہ رجواڑے کا قانون نہیں ہے، یہ کسی صوبائی حکومت کا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ مرکز کا تدوین کردہ ہے۔ مابین قانون نے اس کی تسوید کی ہے اور گورنر جنرل نے اسے آرڈی منس کی حیثیت سے نافذ کیا ہے اور مرکز ہی نے اسے چن۔ مرتبہ استعمال کیا ہے۔ پس ”پروڈا“ ہمارے حکمرانوں کے مخصوص رجحانات کا زیادہ سے زیادہ آئینہ دار ہے۔

ایک معقول نظام قانون کی تعریف | ہمارا معیار نقد و تبصرہ اسلامی اصول عدل و قانون ہیں، اور جو لوگ اسلام کو نہ جانتے ہوں ان سے ہم توقع کرتے ہیں کہ خالص عقلی طور پر بھی مندرجہ ذیل امور کو ایک معقول نظام قانون میں وہ کار فرما دیکھنا چاہتے ہوں گے:-

(۱) قانون کی نگاہ میں اونٹ سے اونٹ شہری اعلیٰ سے اعلیٰ شہری کے برابر ہو اور قانون ایک جیسے حالات میں دونوں سے ایک جیسا معاملہ کرے۔

(۲) ایک جیسے جرائم کی سارے شہریوں کے لئے ایک ہی جیسی سزا ہونی چاہیے۔

(۳) ایک جرم اپنے پیمانہ اثر اور اپنے فحش پن کے لحاظ سے جتنا زیادہ وسیع اور شدید ہوتا جائے، اس کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ شدید اور وسیع الاثر ہونی چاہیے۔

(۴) عام شہری اور حکمران جب ایک ہی جرم کے مرتکب ہوں تو دونوں کے لیے عدالتی نظم اور ضابطہ کارروائی (Procedure) بھی ایک ہی ہونا چاہیے، اور دونوں کے لئے ایک ہی قانون کی لاٹھی حرکت میں آنی چاہیے۔

(۵) جن معاملات میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا عدلیہ کا کام ہو ان میں انتظامی طاقت کو نہ تو مداخلت کرنی چاہیے، نہ عدالت کے ہاتھ باندھ کر اس سے کچھ اختیارات اپنے لئے سلب کر لینے چاہئیں اور نہ عدالتی فیصلوں میں رد و بدل کرنے کی طاقت اپنے ہاتھ میں لینی چاہیے۔

(۶) کسی شہری یا کسی سرکاری کارکن کو کوئی سزا بغیر اس صورت کے نہ دی جائے (اور نہ اس پر کوئی پابندی

لگائی جائے، کہ اس کے معاملہ میں باقاعدہ عدالتی کارروائی تکمیل پا کر ایک عدالتی فیصلہ نافذ ہو۔

(۷) جائز اور معقول قانون وہ ہے جس کی تدوین و ترمیم میں ٹھوس اخلاقی اصولوں اور اجتماعی مفاد کو معیار بنایا گیا ہو، نہ کہ بعض افراد اور بعض خاص طاقتوں کو۔

ان نکات میں تو کسی غیر مسلم کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا! اب آپ اسلام سے قطع نظر کر کے بھی پروڈاکا کا مطالعہ کر لیجئے، اور پھر بتائیے کہ یہ قانون سازی کی کس نوعیت کا منظر ہے۔

پروڈاکا کی سائن نزول | یہ تو ایک معمولی سی بات ہے کہ کسی نازک صورتِ حالات (Emergency)

کے نمودار ہو جانے پر حکومتوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور ان کو معمولی حالات کے مقابلے میں زیادہ وسیع اختیارات استعمال کر کے بہت سی خاص تدابیر امن و نظم کے تحفظ کے لئے اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ یہ سوال کہ ایک حکومت ایمر جنسی کی صورت میں کہاں تک جاسکتی ہے، اسلام میں تو طے شدہ ہے۔ اسلامی دستوریات کی رو سے قانون و عدل کے جو تقاضے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں ان کو ایمر جنسی کے نام پر ذبح نہیں کیا جاسکتا۔

لے مدینہ کی ریاست جب تک بنی مسلم کی امارت کے تحت چلی ہے، یہ پورے کاپور اور شدید قسم کی ایمر جنسی اور نازک صورتِ حالات کا دور تھا۔ ایک چھوٹی سی نئی ریاست جہاں طرف سے دشمنوں میں گہری ہوائی تھی، جس کے سامنے مسلسل آنے والے ہاجرین کی بھالی کافر مختتم سا کام تھا، جو دن رات لڑائیوں میں مصروف تھی، جس کے مالیت صفر سے آغاز پذیر ہوئے تھے اور جس کے عین مرکز میں یہود کی دشمن طاقت کی سازشوں کے علاوہ منافقین کی فتنہ انگیزیاں روز افزوں تھیں۔ اگر ایمر جنسی کے نام پر سخت گیرانہ قوانین بنانے اور مستبدانہ اختیارات حاصل کرنے کی کوئی گنجائش اسلام میں ہوتی تو اس گنجائش سے فائدہ اٹھانے کی سب سے زیادہ مستحق مدینہ ہی کی ریاست ہوتی۔ مگر کیا کوئی شخص دعوئے کر سکتا ہے کہ اس ریاست میں ایمر جنسی کے نام پر کوئی ایک سخت گیرانہ ہنگامی قانون بھی نافذ کیا گیا اور کسی ایک فرد کے خلاف بھی کوئی جابرانہ کارروائی کی گئی؟ پھر ایمر جنسی کے حالات سے فائدہ اٹھانے کا حق حضرت ابوبکر کو تھا جب کہ وہ بنی مسلم کے وصال کے فوراً بعد نبوت کے مدعیان کا ذہب اور مانعین زکوٰۃ کے فتنے میں ریاست کو مبتلا دیکھ رہے تھے پھر یہ حق حضرت عثمان کو حاصل ہو سکتا تھا جن کے دور میں اشرار نے ساری فضا کو فتنہ زدگی میں مبتلا کر دیا۔ پھر یہ حق حضرت علیؑ

تاہم یہاں اس سوال کو درکنار رکھ کر ہم جس حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہنگامی حالات کے نام پر قانون سازی کی دو نوعیتیں ہو سکتی ہیں :-

ایک یہ کہ واقعی ہنگامی صورت حالات نمودار ہو اور اس کے تحت کوئی حکومت ہنگامی ضرورت کے قوانین بنا دوسری یہ کہ مستبدانہ اختیارات حاصل کرنے کے لئے خواہ مخواہ ہنگامی صورت حالات کا موجود ہونا فرض کیا جائے یا اسے اٹلے سیدھے دلائل سے ثابت کیا جائے۔

ہنگامی صورت حالات یا ایمر جنسی کے معنی اگر یہ ہیں کہ ایک ملک کو کسی نہ کسی دوسرے ملک سے شدید اختلافات ہیں یا وہ تعمیر و ترقی کے مراحل سے گزر رہا ہے، یا وہ کچھ نہ کچھ مخالفانہ طاقتوں سے خطرے کے امکانات کا احساس رکھتا ہے تو یہ چیزیں تو آزادی کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، اور ایمر جنسی کا اطلاق اگر انہی چیزوں پر ہوتا ہے تو دنیا کا ہر آزاد ملک ہر آن ایمر جنسی ہی کی حالت میں مبتلا رہتا ہے۔

چنانچہ ہمارے ہاں بھی ایمر جنسی اسی نوعیت کی ہے اور یہ ایمر جنسی اس بُری طرح ہمارے قانون گروں کے دل و دماغ پر پر توڑ ڈالے ہوئے ہے کہ ان کے جس ایکٹ اور جس فرمان کو آپ اٹھا کر دیکھیں گے اس کے ابتدائے (Preamble) میں ایمر جنسی کا حوالہ ضرور ملے گا۔

”پروڈاکا کی بسم اللہ بھی“ ایمر جنسی کے تذکرے سے ہوئی ہے۔

آپ فرما سکتے ہیں کہ جب پروڈاکا بنا تھا تو اس وقت کشمیر کے لئے جہاد ہو رہا تھا اور پنجاب جو اس جہاد کی پشت پناہی کرنے والا تھا اس کے نظم و نسق میں فساد برپا تھا۔ اسی ایمر جنسی نے حکومت کو مجبور کیا کہ وہ سخت قدم اٹھائے۔ اس دعوے کو ہم یقیناً صحیح تسلیم کر لیتے، لیکن صرف اس صورت میں جب کہ ایک خاص ہنگامی حالت کے گزر جانے کے پہلے ہی لمحے بعد پروڈاکا کو واپس لے لیا جاتا۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ آج ”جہاد کشمیر“ نہیں ہو رہا ہے مگر پروڈاکا بدستور موجود ہے۔

بقیہ حاشیہ ۵ :- کو ملینا چاہیے تھا کہ جن کے دور میں فساد کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر کیا کوئی نظیر ان خلفائے راشدین کے دور سے ایمر جنسی کے نام پر مستبدانہ اختیارات حاصل کرنے کی ملتی ہے؟

پھر آپ کا یہ فرمانا بھی بجا ہوگا کہ ایمر جنسی کا اطلاق حالات کے شدید مطالبوں اور تقاضوں پر بھی تو ہوتا ہے۔ جب خیانت کاری حکومت کے اونچے ایوانوں میں جلوہ گر ہو جائے تو یہ چیز خود ایک بڑی ایمر جنسی پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس سے حمدہ برآ ہونے کے لئے غیر معمولی اختیارات اور غیر معمولی تدابیر کو کام میں لانا گزیرہ جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انگریزی دور میں بھی ایڈمنسٹریشن کو خیانت سے بچانے کے لئے کچھ انتظامات موجود تھے، ان کو آپ ناقص اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اُس دور میں آج کی بہ نسبت نظم و نسق کی حالت بہتر تھی۔ لیکن خیر وہ ناقص سہی، تو بھی ان کے نقص کی اصلاح کرنے کے لئے یہ کیوں ضروری ہوا کہ مستبدانہ اختیارات سے کام لیا جائے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ تعزیرات پاکستان میں رشوت ستانی وغیرہ کی روک تھام کے لیے پہلے سے جو قانون موجود تھا اس کی کوتاہیاں دور کر کے اسے ایک مکمل طاقت بنا دیا جاتا، ساری کارروائی مضابطہ تعزیرات کے تحت باقاعدگی سے عمل میں آتی اور عدالتوں کے ماتھے باندھے نہ جاتے۔

ایک وسیع الاثر مفسدے کو روکنے کے لیے قانون و عدالت کا وہ سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے جب راستہ مستبدانہ اختیارات کا پسند کیا گیا ہے تو معاملہ تجزیہ طلب ہو جاتا ہے۔ اور خود لفظ "ایمر جنسی" کا حقیقی مفہوم متعین کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں کے ذہن پر سال کے بارہ مہینے، مہینے کے تیس دن اور دن کے چوبیس گھنٹے ایمر جنسی کا احساس مسلط رہتا ہو، ضروری ہے کہ ان کے ذہن کو آپ خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔ "خطرے کی حالت" اور نازک صورتِ حالات "اور ہنگامی حالات" ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے ملک کے عوام محسوس نہ کرتے ہوں اور صرف چند "بادہ فروشوں" (دور میر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید!) پر انکشاف ہو۔ "خطرہ" اور "ہنگامی حالات" اور "ایمر جنسی" جب آتی ہے تو سارے ملک کی فضا بدل جاتی ہے، اس کی ایک عام حس پیدا ہو جاتی ہے، اس کی بھرپور طرف پھیل جاتی ہے۔ لیکن جہاں یہ بڑے صرف چند گئے پننے افراد کو ہی محسوس ہوتی ہو وہاں یہ سوچا لازم ہو جاتا ہے کہ کہیں فساد خود ان "ناگن" ہی میں تو نہیں ہے!

یاد رکھئے کہ اگر ملک کی عام فضا ایمر جنسی کا احساس نہ رکھتی ہو بلکہ صرف چند پیرانِ طریقت ہی کو مرقبوں میں اس کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہو تو پھر وہ ایمر جنسی ملک اور جمہورِ قوم کے لئے نہیں ہوگی، ایمر جنسی ہوگی ہی ان

پیرانِ طرہیت کے لئے! مشہور اصول ہے کہ آپ ڈوبے تو جہاں ڈوبا، اسی اصول کے تحت جب چند نادروغذگار بستیوں کو اپنی دینائے اقتدار خطرے میں گھری ہوئی محسوس ہوتی ہے تو وہ ساری دنیا کو خطرے کی حالت میں مبتلا پاتے ہیں۔ ایمر جنسی کی یہی فریت ہے جس کا احساس ہماری قانون سازی کی رگوں میں سرایت کر گیا ہے۔

اصل ایمر جنسی | پروڈاکا کے نفاذ کے وقت اصل ایمر جنسی کیا تھی جو اس قانون کی تدوین کی محرک ہوئی؟ اس راز کو کھولا نہیں گیا، مگر حالات کا پس منظر خفا سے کھولے دے رہا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ وہ فوقیت یافتہ گروہ جسے انگریز اپنا جانشین بنا کر گیا تھا، کوئی ایسا گروہ نہ تھا جسے کسی پاکیزہ نصب العین کی مخلصانہ وفاداری نے جمع کر کے ایک بنیان مرموص بنایا ہوتا، بلکہ وہ سراسر مفاد پرست عناصر پر مشتمل تھا، جنہیں بچہ مفاد کی وفاداری نے اس گروہ میں لا کر شامل کر دیا تھا پاکستان بننے کے ننھوڑی ہی مدت بعد جب غیر متوقع کامیابی کے اچانک صدمے سے ان عناصر کو فدا افادہ ہوا اور ان کے حواس برجا ہونے شروع ہوئے، تو ان کے اندر دو قسم کے رجحانات ابھرتے نظر آئے:

ایک یہ کہ اُن کے دراز زیادہ حوصلہ مند افراد نے، جو اپنے حوصلوں کے مطابق پوزیشن نہ پاسکے تھے، عالم بالا کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور مرکزی اقتدار کو انہیں "ایاز قد خود بشناس" کا سبق دینے کی ضرورت پیش آئی۔

دوسرے یہ کہ ان میں سے بعض لوگوں نے پاکستان سازی کے لیے اپنی خدمات کا اتنا زیادہ اجر مانگنا، بلکہ لینا شروع کر دیا جس سے پورے طبقے کی سالک بگڑ جانے کا سخت اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اور چونکہ اس مسئلے کا اصل قابل لحاظ پہلو یہ نہ تھا کہ پبلک سے کتنا اجر لینا اور کس طرح لینا جائز و معقول ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا عدالتوں کا کام نہ تھا۔ جو چیز قابل لحاظ تھی وہ صرف فوقیت یافتہ طبقے کی سالک تھی، اور اس کے بارے میں اس طبقے کے سربراہ کا ہی بہترین فیصلہ ہو سکتا تھا کہ کتنا اور کس طرح لینا! اس سالک کو نہ تعان پہنچا سکتا ہے۔

یہ تھی اصل ایمر جنسی۔ اب دیکھئے کہ اس کا کس شان سے پروڈاکا میں مقابلہ کیا گیا۔

پروڈاکا کی زد | ۶۔ جنوری ۱۹۴۹ء کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کرتے ہوئے دستورِ پاکستان نے پروڈاکو جس شکل میں پائیں کیا تھا اس کا دیباچہ یہ تھا:-

”چونکہ ایسے اشخاص کو جو کسی ذمہ دارانہ پبلک عہدے یا کسی نمائندگی کے منصب یا ان سے متعلقہ کسی معاملے میں عدالتی تحقیقات سے بدکرداری کے مجرم پائے جاتیں مناسب مدت کے لیے سیاست بند کرنے کا دفاعی، انتظام کرنا لایہی ہے، لہذا اس مقصد کے لیے حسب ذیل قانون بندی کی گئی ہے:-“

معلوم ہوا کہ قانون کچھ خاص قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔ ان مخصوص لوگوں کی فہرست اسی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت بیان کر دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

(۱) وزیر بشمول وزراءِ اعظم (۲) نائب وزیر (۳) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے پارلیمنٹری سیکرٹری (۴) مجلسِ دستور ساز، مجلسِ قانون ساز مرکزی اور مجالسِ قانون ساز صوبائی کے ارکان۔ یعنی اس قانون کا دائرہ عمل بالخصوص حکمران گروہ کو محیط ہے۔ اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس گروہ کے افراد اپنے اختیارات کو غلط استعمال کر کے جو چھوٹے سے چھوٹا بھی جرم کریں وہ عام شہریوں کے بڑے سے بڑے جرائم سے زیادہ مفسدہ انگیز اور فتنہ خیز ہو سکتا ہے۔ ان کی غلط کاریوں اور بدکرداریوں کی لپیٹ میں پوری قوم کا دینی اور دنیوی مفاد آجاتا ہے۔ لہذا ان کے جرائم کی شدت اور وسعت کا لحاظ کرتے ہوئے اگر کوئی مستقل قانون بنایا جائے تو ایسا کرنا مناسب ہی ہوگا!

مگر آگے کی دفعات بتاتی ہیں کہ اکابر کے لیے جداگانہ قانون سازی کا منشا یہ نہیں ہے کہ ان کو ان کے جرائم کی کماحقہ سزا دی جاسکے، بلکہ یہ جداگانہ قانون سازی اس لیے کی گئی ہے کہ طبقہ بالائی کو عام شہریوں کی طرح عدالت کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کے مجرم افراد پر مقدمہ چلانے اور سزا دینے کے اختیارات براہِ راست مرکزی حکمران طاقت کے ہاتھ میں رہیں۔

بعوضتِ دیگر مگر یہ قانون عام نظامِ عدالت سے ہم آہنگ ہو کر کام کرنے والا ہوتا تو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ائمہ قوم میں سے شاذ ہی کسی کی پیٹھ ہوتی جو اس کوڑے سے بچ سکتی۔ چنانچہ کوڑا عدالت کے

ہاتھ میں نہیں گد زجنرل کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ پروڈا کے دائرہ اثر میں وہ لوگ باقی رہ جائیں جو مرکز سے سرکشی کرتے ہوں۔ رہے مرکز کے وفادار، تو وہ اس سے بالاتر ہیں۔ آپ پروڈا کے استعمال کی تاریخ کو دیکھ کر خود رائے قائم فرمائیے کہ امر واقعہ یہی ہے یا کچھ اور! پروڈا اگر عدالت کا ہتھیار ہوتا تو پنجاب اور سرحد اور بہاولپور کے اُن تمام اکابر پر مقدمے چل جاتے جنہوں نے انتخابات میں حکم کھلا اپنے اختیارات کو ناجائز طریقوں سے استعمال کیا ہے، بلکہ شاید مرکزی اکابر بھی نہ بچ سکتے! اور پروڈا اگر اختیارات کے ناجائز استعمال پر بے لاگ طریق سے گرفت کرنے والا قانون ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ اُس وزیر کے خلاف بھی وہ حرکت میں آجاتا جس نے اپنے بچے کی خاطر لاہور چھاؤنی پر اپنی وزارت کے زور سے سیل ٹرین روکی تھی۔

فوق العوق اختیار | پروڈا چونکہ اقتدار کا ہتھیار ہے، اس لیے حرب معمول پروڈا کے استعمال میں اقتدار نے اپنے آپ کو عدالت سے بالاتر رکھا ہے۔ ایک معقول عدالتی نظام وہی ہو سکتا ہے جس کا دروازہ چاہے تو کوئی شہری کھٹکھٹائے اور چاہے حکومت کی طرف سے پولیس دستک دے، وہ دائرہ می کے لیے فوراً اپنے کواڈھکوں دے۔ وہ استغاثہ ٹنٹے، وہ اس پر تحقیقاتی کارروائی مکمل کرے، وہ اپنا قانونی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ نافذ ہو۔ لیکن اگر کوئی طاقت بیچ میں آدھل انداز ہو، وہ چاہے تو استغاثہ پیش ہو سکے اور نہ چاہے تو نہ ہو سکے، وہ ضرورت سمجھے تو عدالت کو تحقیقاتی کارروائی مکمل کرنے کا حکم دے اور ضرورت نہ سمجھے تو عدالت کو اس سے روک دے، اور پھر اسی کی رضا ہو تو فیصلہ ایک قانونی وعدتی فیصلے کی طرح نافذ ہو، ورنہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں عدالتی نظام کے ہاتھ بندھ جانے کی وجہ سے انصاف کی طاقت ایڈمنسٹریشن کی محض آلہ کار بن کر رہ جاتی ہے۔ جس معاملے میں بھی ایڈمنسٹریشن قانون و عدالت کے مقابلے میں اس طرح کی دخل اندازی کے لیے فوق العوق اختیارات حاصل کرے اس معاملے میں قانون فیصلہ کن چیز نہیں ہوتا بلکہ فیصلہ قانون کے آقاؤں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ فوق العوق اختیارات کے معنی یہ ہیں کہ اب حکم ترازو کے تول پر نہیں لگایا جائے گا بلکہ اس بیٹے کی مرضی کے تحت لگایا جائے گا جس کے ہاتھ میں ترازو ہے اور جسے اختیار حاصل ہے کہ وہ باٹوں کے فیصلے کو بالکل رد کر کے اپنا

فیصلہ دے۔ وہ کم وزن کو زیادہ اور زیادہ کو کم قرار دے دے تو ترازو اور باٹ اور گلابک اور مشین سب بے بس ہوں گے۔ فوق الفوق اختیارات رکھنے والے قرائن کے ہاں کھرے اور کھوٹے کا امتیاز کسٹیاں نہیں کیا کرتیں بلکہ کسٹیاں کو قرائن کی مرضی کے مطابق کھوٹے کو کھرا اور کھرے کو کھوٹا بنانا پڑتا ہے۔ پروڈا اور اس کے متعلقہ قواعد کی رُو سے گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں کو نظام عدالت کے مقابلے میں پورے پورے فوق الفوق اختیارات سے مستحکم کر دیا گیا ہے۔ گورنر جنرل یا صوبائی گورنر ہی یا تو بطور خود یا کسی شہری کی درخواست پر (جس پر کم از کم پانچ افراد کے دستخط ہونے ضروری ہیں) ابتدائی تحقیقات کے بعد یہ حکم دینے والا ہے کہ معاملہ عدالت (فیڈرل کورٹ، مانی کورٹ یا اپیلیٹ ٹریبونل) کے سامنے جانا چاہیے۔ وہ اگر ایسا حکم نہ دے تو پروڈا کے تحت کسی مجرم سے نظام عدالت کوئی باز پرس کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ پھر عدالت بعد تحقیق جو بھی رائے قائم کرے (اور قانوناً چاہے اس کا فیصلہ کچھ بھی ہو سکتا ہو) وہ باختیار خود کسی خیانت کار عہدے دار کو سیاست بدر کرنے یا کوئی دوسری سزا دینے پر قادر نہیں ہے بلکہ وہ صرف گورنر جنرل یا گورنر کے سامنے بھینٹے راز اپنی رپورٹ پیش کر کے اپنا کام ختم کر دے گی پس کے بعد آخری فیصلہ اس کا نفاذ کرنا بھی گورنر جنرل یا کسی صوبائی گورنر کا کام ہوگا جس کی طرف سے ابتداء عدالتی کارروائی کی تحریک کی گئی تھی!

۹۔ جولائی ۱۹۴۹ء کے قواعد (Rules) متعلقہ پروڈا کی دفعہ ۲ میں کارروائی آغاز کے عنوان سے یہ طے کیا گیا تھا کہ پروڈا کی دفعہ ۳ کی رُو سے گورنر جنرل یا صوبائی گورنر اپنے حکم سے عدلیہ (فیڈرل کورٹ یا مانی کورٹ) کو حرکت میں لانے گا، یا اپیلیٹ ٹریبونل کی تقرری عمل میں لانے گا۔ یہ ”کارروائی آغاز“ جب تک گورنر جنرل یا صوبائی گورنر کی طرف سے عمل میں نہ آئے عدلیہ کسی خیانت کار عہدے دار کا معاملہ ماتہ میں نہیں لے سکتی۔ اور نہ پروڈا کے تحت کوئی عدالتی کارروائی اس کے خلاف کر سکتی ہے۔

بعد میں ۹ جولائی ۱۹۴۹ء کے قواعد کو منسوخ کر کے ۲۷ جون ۱۹۵۰ء کو جو نئے قواعد نافذ کئے گئے ان میں پھر پروڈا کی ”کارروائی آغاز“ کے لیے فرمانِ تحقیقات (Referring Order)

کو اصل کلیہ کار قرار دیا گیا ہے، اور اس کام کے لیے گورنر جنرل یا صوبائی گورنر کو مختار تفویض (Referring Authority) ٹھہرایا گیا۔ یعنی ریفرننگ اتھارٹی اپنے فرمان تحقیقات سے عدلیہ کو حرکت میں لائے تو وہ حرکت میں آجائے گا اور نہ لائے تو براہ راست اس کے اپنے پاس کوئی اختیار اس پروڈاکے تقاضے پر سے کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ ان قواعد کی دفعہ ۱۴ واضح کرتی ہے کہ فرمان تحقیقات صادر ہونے کے معنی یہ ہونگے کہ کسی عہدہ دار پر الزام عاید کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر قانون کی رو سے کوئی الزام الزام کی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

پھر یہ ریفرننگ اتھارٹی اپنی طرف سے اگر کسی خیانت کا عہدے دار کے خلاف کارروائی کرنا چاہے تو بلا کسی روک ٹوک کے کر سکتی ہے، لیکن جب شہریوں کی طرف سے سلسلہ جنجانی کی جائے تو قطع نظر دوسری سخت پابندیوں کے جن کا تذکرہ ہم آگے کر رہے ہیں، ریفرننگ اتھارٹی ۲۷ جون ۱۹۵۰ء کے آخری قواعد کی دفعہ ۶ کے مطابق شہریوں کی درخواست کو اس بنا پر رد کر سکتی ہے کہ الزامات کے لیے وجہ و دلائل ناکافی ہیں۔

کسی درخواست کو رد یا قبول کرنے سے پہلے انہی قواعد کی دفعہ ۷ کے رو سے ریفرننگ اتھارٹی الزامات اور دلائل و شواہد کی ابتدائی تحقیقات کے لیے اپنی طرف سے قابل اطمینان انتظام کیے گی۔ یہ ابتدائی تحقیقاتی کارروائی معاملہ کے عدلیہ کے سامنے جانے سے پہلے انتظامیہ (Executive) کی طرف سے عمل میں آئے گی، کیوں کہ عدلیہ سے بالابالہ ریفرننگ اتھارٹی کو پہلے یہ طے کرنا ہے کہ درخواست عملی کارروائی کے لیے موزوں بھی ہے یا نہیں؟

ابتدائی تحقیقاتی کارروائی کی تکمیل پر اگر ریفرننگ اتھارٹی الزامات اور ان کے دلائل و شواہد پر مطمئن نہ ہو تو وہ درخواست کو رد (Dismiss) کر دے گی۔ درخواست کی یہ مردودی ”بہر حال میں قانوناً جائز قرار پائے گی۔ اور اس سلسلہ میں ریفرننگ اتھارٹی پر ایسی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی کہ جس پبلک کے نمائندے پر خود اسی پبلک کے مفاد کے خلاف کچھ کام کرنے کے الزامات تھے، اس کو بھی وہ درخواست کو رد کر دینے کے وجہ سے مطلع کرے۔

۲۷ جون ۱۹۷۷ء کے قواعد کی دفعہ ۱۶ میں طے کیا گیا ہے کہ عدالتی تحقیقات کی تکمیل پر عدالت یا ٹریبونل ریفرننگ اتھارٹی کے سامنے اس امر کی رپورٹ پیش کرے گا کہ ملزم کے خلاف بدکرداری کے الزامات پایہ ثبوت کو پہنچ سکے ہیں یا نہیں۔ یہ رپورٹ اور پوری سلسل کارروائی اٹھا کر ریفرننگ اتھارٹی کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ یعنی ملک کی انتہائی اونچی عدالتیں اور خاص قابل اعتماد افراد پر مشتمل ٹریبونل بھی اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ وہ قانون کے فیصلے کو نافذ کر دیں، بلکہ ان کا کام رپورٹ پیش کر دینے پر ختم ہو جاتا ہے اور فیصلہ سزاؤ کے بجائے "جینے" کے اختیارات خصوصی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

یہ قواعد ریفرننگ اتھارٹی کے فوق الفوق اختیارات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، مگر اس "نہم مئے اختیار" کے منہ پر جو ہر لگائی گئی ہے وہ اور بھی بالاتری پیدا کرتی ہے۔ اصل پروڈا کی دفعہ ۱۶ کہتی ہے کہ:-
"دفعہ ۳ کے تحت گورنر جنرل کی طرف سے جاری ہونے والا کوئی بھی حکم (وہی فرمان تحقیقات) بالکل قطعی ہوگا اور اسے کسی بھی عدالت میں (زیر بحث لانے کے لیے) طلب نہ کیا جاسکے گا؛
اس دفعہ کی رو سے انصاف گورنر جنرل کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے ایہ دفعہ درحقیقت اوپر کے بیان کردہ فوق الفوق اختیارات کی تکمیل کرتی ہے؛

ان فوق الفوق اختیارات کے جواز کی وکالت کرتے ہوئے ایک صاحب نے پارلیمنٹ میں بڑا مزے کا استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ پروڈا کے تحت سرکاری عہدے داروں سے ایک بنیادی شہری حق کے سلب ہونے کا نازک معاملہ سامنے ہوتا ہے اس لیے پورے ملک کے ولی و سرپرست کی منظوری کے بغیر یہ کارروائی کر دینا اور اتنے بڑے معاملے کو محض عدالتوں کی تحویل میں چھوڑ دینا نامناسب ہوگا۔ لیکن یہ وکیل صاحب اپنی اس دلیل کو سامنے رکھ کر کیا غم نہ فرمائیں گے کہ عدالتیں جتنے بھی مجرمین کو کوئی سزا دیتی ہیں تو بہر حال ان کے کسی نہ کسی شہری حق پر ہی ماتہ ڈالتی ہیں۔ مثلاً کسی کو پچانسی چڑھانے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے زندگی کا حق جو دوسرے تمام بنیادی حقوق سے مقدم حق ہے، سلب کر لیا گیا۔ کسی کو قید میں ڈالنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے آزادی کا حق جو پبلک لائف میں شرکت کرنے کے حق سے فائق تر ہے ایک خاص مدت کے لیے چھین لیا گیا۔ کسی پر جرم مانے یا ضبطی جائداد کا حکم نافذ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس

کے حق ملکیت پر ماتہ ڈالا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس کسی کو تازیانے لگانے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے حفاظتِ جسم کا حق واپس لے لیا گیا۔ پھر کیوں نہ ان سارے حقوقِ شہریت میں عدالتوں کو تصرف کرنے سے روک کر ہر معاملہ گورنر جنرل کے ”ریفرنس آؤر“ اور اختیار تیزی پر منحصر قرار دے دیا جائے اور ہر عدالت کا کام صرف یہ نہ رہ جائے کہ وہ ”رپورٹ“ کر دیا کرے؟

حیرت ہوتی ہے کہ ایک ملک کا انتظام چلانے والے دماغ کیسے کیسے نکلتے اور کیسے کیسے اسرار و رموز بیان فرماتے رہتے ہیں، اور وہ بھی پرائیویٹ صحیفوں میں نہیں، بلکہ ملک کی پارلیمنٹ میں، جہاں کے بولے ہوئے الفاظ ساری دنیا کے پردہ مائے گوش سے ٹکراتے ہیں۔ ایسی باتوں سے ملک کی ذہنی ساکھ کیا برباد نہ ہو جائے گی؟

جرم اور تعزیرِ جرم میں عدم توازن | پروڈا سرکاری عہدے داروں اور نمائندگی عوام کے مناصب پر کام کرنے والوں کی ”بدکرداری“ (Misconduct) سے نمٹنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ بدکرداری کی قانونی تعریف میں اصل پروڈا کی دفعہ ۳ کے رُو سے حسب ذیل جرائم کو شامل کیا گیا ہے:

۱، رشوت ستانی (۲)، بد معاملگی (۳)، خیانتِ کاری (۴)، کتبہ پروردی (۵)، دوستوں عزیزوں کے ساتھ بے جا جہیز داری (۶)، بالارادہ بد نظمی (۷)، مرکزی حکومت یا صوبائی حکومتوں کے تنخواہ دارانہ یا آنرییری عہدوں پر کام کرنے والوں کی طرف سے پبلک کی رقوم اور پبلک کے جمع کردہ چندوں کا بے جا استعمال (۸)، کسی دوسری صورت میں سرکاری اختیارات اور اثر و رسوخ سے ناجائز استفادہ کرنا یا ناجائز استفادہ کرنے میں کسی طرح کی اعانت کرنا!

”بدکرداری“ کی یہ تفصیل سامنے رکھ کر ذرا غور فرمائیے کہ اس کے تحت آنے والے کسی ایک جرم کا قومی زندگی پر کتنا دور رس اثر پڑ سکتا ہے۔ رشوت ستانی اگر پولیڈی اور چنگی کا محرک اور ریلوے کا گڈس کلرک بھی کرے تو انتہائی حد تک قابلِ نفرت ہے، مگر جب کسی وزیر اور کسی ڈپٹی کمشنر اور کسی ڈائریکٹر اور کسی پارلیمنٹری میکرٹری کو اس کی چاپٹ پڑ جائے تو پھر وہ تنہا درجنوں پڑاویوں اور سینکڑوں چنگی کے محرکوں اور ہزاروں گلش کلرکوں کے برابر تنہا ہی پھیلانے کا۔ وہ مانتے کہ جس کی تحویل میں قوم نے اپنی بڑی بڑی امانتیں سونپی ہوں،

اگر خود ہی حفاظت کا ماتہ ہونے کے بجائے خیانت کا ماتہ بن جائے تو اس کی مار سے کس کے لیے نپاہ ہوگی؟ اگر ایک قوم کے اونچے درجے کے کارپرداز کنہ پروری اور جنبہ داری پر اتر آئیں تو پھر انصاف اور احترام حقوق کا حال کیا ہوگا؟ اگر سپاہ کی رقوم اور چنرے قوم کے امینوں کے ماتہ میں غیر محفوظ ہو جائیں تو پھر اجتماعی زندگی کا کونسا گوشہ ہے کہ جو متاثر نہ ہوگا؟ راعی جب خود ہی بھیڑ بکریوں کے لیے بھیڑیا بن جائے اور بارہ جب خود ہی فصل چرنے لگے تو اس کس منڈی سے خرید کر لایا جاسکتا ہے؟ کو تو اب شہر ہی جب آلاتِ نقب زنی لیے چوری کی مہم چلا دے تو اس کی دست برد سے کون بچ سکے گا؟

کسی قوم کے ذمہ دار لوگوں کی بدکرداری کے معنی ایک طرف اگر یہ ہیں کہ گویا اس کی قوت کو دیکھ کر میل لگ گئی ہے تو دوسری طرف اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ پوری قوم کے لیے بڑے لوگ بدکرداری کے معلم ہیں؛ اس لیے عقل گو اہی دیتی ہے اور انصاف تقاضا کرتا ہے کہ عام لوگوں کی بدکرداری اور بڑے لوگوں کی بدکرداری میں زمین و آسمان کا جو فرق ہے اس کے پیش نظر بڑے لوگوں کو بہت ہی بھاری سزا دینی چاہیے۔ لیکن ”پروفا“ کے واضعین نے عقل و انصاف کے اس تقاضے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کی میزانِ انصاف بالکل ہی الٹا تول تولتی ہے۔ یعنی معمولی ملازم سرکار اگر مذکورہ بالا جرائم میں سے اپنے اختیارات کے مطابق ایک چھوٹے سے دائرہ میں بدکرداری دکھائے تو عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جائے گا اور عدالت کے سامنے وہ بدکرداری ثابت ہو جائے تو اسے جیل بھیجا جائے گا۔ لیکن اگر حکمران طبقے میں سے کوئی اپنے اختیارات کے وسیع دائرے کے مطابق کسی بڑے سے بڑے بریائی پر وہی جرم کرتا رہے تو گورنریا گورنر جنرل سے فریاد کی جائے گی، وہ مناسب سمجھے تو عدالت سے تحقیقات کرائے گا، اور عدالت میں جرم ثابت ہو جائے تو اس کو بڑی سے بڑی سزا دی جائے گی کہ اسے دس سال کے لیے حکمران طبقے میں شمولیت سے محروم کر دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی خیانت کاریوں سے اتنا کمپکا ہو کہ عہدوں کی دنیا سے ہجرت کر کے وہ کاروبار یا زمینداری یا صنعت کی دنیا میں اپنی دنیا آپ پیدا کر لے یا لیڈری کے میدان کا شہسوار بن جائے۔ لیکن فرض کیجئے کہ ایسا نہ بھی ہو تو نمائندہ مناصب سے کسی کا الگ کیا جانا اس کے جرائم بدکرداری کی کوئی معقول سزا کیسے قرار پائے گا؟ اگر یہ بھی کوئی معقول

مترابے تو اسی معقول سزا کے اصول پر قانون کو پھر سہ معاملے میں یہی کرنا چاہیے۔ جب کوئی شخص کسی امانت میں خیانت کرے تو بس آئندہ سے اسے امین بنانا چھوڑ دیا جائے، یا جب کوئی پولیس کانسٹیبل یا فوج کا سپاہی سرکاری رائفل سے اپنی ذاتی محاسموں کے تحت کئی جانوں کا قتل کر دے تو اسے پھانسی دینے کے بجائے یہ سزا دے دی جائے کہ دس سال تک وہ رائفل رکھنے سے محروم رہے گا! کسی معقول اور مبنی برانصاف نظام قانون کی ایک لازمی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ جرم اور تعزیر جرم کو متوازن (Proportionate) بنائے۔ ورنہ اگر خطا و سزا میں توازن و تناسب نہیں ہوگا تو انصاف کے تقاضے کبھی پورے نہ ہو سکیں گے۔ اس عقلی معیار پر جب ہم پروڈاکا کو پرکھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطا و سزا کے پلٹے برابر نہیں ہیں۔ جرم اور تعزیر جرم میں سرے سے کوئی تناسب و توازن نہیں ہے۔ خطا اگر من بھر کی ہے تو سزا پانچ تو لے سے زیادہ نہیں۔ جرم اگر ایکڑ بھر کا ہے تو تعزیر جرم دو چار مربع انچ سے آگے نہیں جاتی۔ ہماری عقل حیران ہے کہ آیا یہ قانون سازی واقعی کچھ ایسے انسانوں نے کی ہے جن کے سروں میں کم سے کم عقل عام (Commonsense) تو سلامت تھی!

۲۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو گزٹ آف پاکستان میں پروڈاکا میں ترمیم کرنے کے لیے جو آرڈی ننس شائع ہوئے اس کی دفعہ کو پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ دیکھئے اس دفعہ کی رو سے پروڈاکا کی دی ہوئی سزا کسی دوسرے قانون کے تحت دی جا سکنے والی سزا کا راستہ روک نہیں سکتی بلکہ پروڈاکا تو معمولی سزا کے اوپر مزید اضافہ کرنے کے لیے ہے۔ لیکن درحقیقت یہ محض ایک فریب ہے۔ ملک میں کوئی ایسا قانون موجود ہی نہیں ہے جس کے تحت نمائندہ مجاہدوں کی بدکرداری کو جرم قرار دیا گیا ہو، نہ مضابطہ فوجداری میں اس کی کوئی تصریح ہے کہ ان کے خلاف کس دفعہ کے تحت پبلک استغاثہ کرے گی یا حکومت مقدمہ چلائیگی۔ وزراء آج اس مقام پر بیٹھے ہیں جہاں کبھی دالسرارے اور گورنروں کے اگزیکیوٹو کو فسلر بیٹھا کرتے تھے۔ اور انگریز کا منشا یہ تھا کہ یہ پورا ملکہ اعلیٰ قانون سے بالاتر ہو کر رہے۔ اس لیے اس نے تعزیرات ہند اور مضابطہ فوجداری میں ان جرائم کا کوئی ذکر تک نہ کیا جن کا ارتکاب یہ لوگ بہ حیثیت عہدہ کریں۔ اب اسی خلاف سے ہماری قومی حکومت کے منتظمین فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور انہوں نے پروڈاکا صرف اس لیے بنایا ہے کہ

اُن کے گروہ کے لوگ کبھی خود ان کے مقابلے میں سر نہ اٹھا سکیں۔ مگر وہ یہ کہہ کر ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ پروڈا کی سزا کسی دوسرے قانون کے تحت دی جاسکے والی سزا میں مانع نہیں ہے۔ کیا وہ ہمیں بتائیں گے کہ وہ دوسرا قانون ہے کونسا جس کے تحت انہیں سزا دی جاسکتی ہو؟

پس، اتنے ہی ہے کہ وزیر اور دوسرے نمائندہ عہدہ داروں کے لیے بدکرداری کی سزا اگر کوئی ہے تو بس وہی جو پروڈا میں تجویز کر دی گئی ہے۔ جرم اور تعزیر جرم کا یہ عدم تناسب جو آپ دیکھتے ہیں، یہ بھی سوسائٹی پر ایک فوقیت یافتہ طبقے کی موجودگی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس فوقیت یافتہ طبقے، اور پھر اس کے ٹھٹی بھر افراد کے حکمران گروہ کی ذہنی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ جب کوئی ایسی چیز سوچے تو عام لوگوں سے اپنے آپ کو الگ کر کے اپنے گروہ کے ساتھیوں کے ساتھ جانبداری کا رویہ اختیار کرے۔ ہمارے ملک کی حکمران طاقت کا پروڈا ان حکومت کی کنبہ پروری و جانبداری کے خلاف تو پروڈا کے تحت کچھ کارروائی کر سکتی ہے، لیکن قانون سازی کے پس منظر میں خود اسکی ذہنیت جس مستقل جانبداری کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے، اس کے لیے کوئی پروڈا موجود نہیں ہے!

قانونی مساوات کا خاتمہ | ہم تمہیدی طور پر ایک معقول قانون کی تعریف کرتے ہوئے اس کی لازمی خصوصیات میں سے ایک یہ خصوصیت بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس کے بنیادی اصولوں میں مساوات کا اصول شامل ہونا چاہیے۔ قانون کی ترازو قابل اعتماد اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ وہ سب کے لیے ایک ہی تول تولے اور اس کے پلڑے اور باٹ دوسروں کے لیے بھی وہی ہوں جو خود ترازو والے کے لیے ہوں۔ واقعہً بالذات بالقسط ولا تحسروانی المیزان! جس قانونی نظام میں اس اصول کے بخلاف کوئی جھول اور سلوٹ موجود ہو اور وہ مختلف لوگوں سے مختلف سلوک کرے، یا اکابر و اصاغر میں اور حاکم و محکوم میں کوئی امتیاز روارکھے تو پھر اس کو قانونی نظام نہیں کہنا چاہیے، اس کا نام اندھیر گردی رکھنا چاہیے۔ دنیا میں اندھیر گردی کی بدترین شکل یہی ہے کہ اندھیر گردی قانون کا مقدس لباس پہن لے اور ”سکتا شاہی“ نظام عدالت کے سانچے میں ڈھل جائے۔ انسانیت نے کھلی کھلی بربریت کے مانتوں اتنے رخم نہیں کھائے جتنے جان لیوا لکھاؤ اس نے قانون کی شکل میں جلوہ گر ہونے والی چنگیزیت کے مانتوں کھائے ہیں۔ ظلم جب ادارہ

قانون بازی میں فتنہ لگا کر آتا ہے اور عدالت کی کرسی پر اپنا پروڈاکا دیتا ہے تو پھر انسانیت کے لیے کیس پناہ نہیں رہتی۔

اسلام میں قانونی مساوات کا تصور پوری پوری طرح نمایاں ہے۔ اس کے ہاں ایک جرم کے لیے ایک ہی نظام عدالت ہے، ایک ہی طریق کار روائی ہے، ایک ہی فیصلہ ہے اور ایک ہی سزا ہے۔ چاہے جرم کسی طبقے اور کسی وجہ کا ہو اور اس کے مقابلے میں مستغنیث چھوٹے سے چھوٹا ہو، یا بڑے سے بڑا! اسلامی قانون میں تصور مساوات اتنا سیدھا سادہ ہے کہ وہ عام ملکی عدالتوں کے متوازی مخصوص قسم کی انتظامی عدالتیں قائم کرنے کا روادار نہیں ہے۔ یہ نہ سمجھیے کہ اسلامی نظام جس دہریہ چلا تھا اس میں آدمی کے سامنے تقسیم عدالت کا مسئلہ آیا ہی نہیں تھا اور اس لیے ایک سادہ سا نظام اپنے مخصوص حالات کے تقاضوں کے مطابق چلتا رہا۔ نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ ایک گدہ زنی زیادتی کے خلاف ایک معمولی شہری کی فریاد آئی اور آپ نے اس پر عام ملکی قانون کے تحت سزا دینے کا فیصلہ کیا تو آپ کے سامنے یہ مطالبہ بالکل متعین طریق سے رکھا گیا تھا کہ اگر آپ اس طرح شہریوں کی شکایات پر اپنے حکام اور عمال کو سزائیں دینے لگیں گے تو ان کا رعب و وقار ختم ہو جائے گا، ان کا معاملہ تو کچھ جدا گانہ طریق سے ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس مطالبے کو قانون اسلامی کے مزاج اور اصولوں کے خلاف پا کر بالکل رد کر دیا۔ چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے نظام عدالت و قانون نے یہ حیرت انگیز نظریہ قائم کر کے دکھائی ہیں کہ ایک عام شہری اور ایک خلیفہ وقت ایک معمولی قاضی کی عدالت میں آمنے سامنے برابر کی حیثیت سے کھڑے ہیں اور قاضی بغیر اس کا لحاظ کیے قانون کا فیصلہ نافذ کر دیتا ہے کہ کون مستغنیث ہے اور کون مستغناث علیہ! یہ مثالیں بادشاہی دوزخ میں دیکھی جا چکی ہیں۔ کیا قانون و عدالت کی یہ قدریں وقتی اور سرسری قسم کی تھیں اور محض فرضی حالات کا تقاضا تھیں؟ ان کے پیچھے کوئی اصولیت تھی ہی نہیں؟ یقیناً یہ قدریں دائمی ہیں اور ان کی بنیاد اصول مساوات پر ہے کہ جس سے ہٹ کر قانون لا قانونی سے بدتر ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم ابتدا ہی میں واضح کر چکے ہیں کہ پروڈاکا کی اصل روح ایک فوقیت یافتہ عنصر کی اتیاز

پسندی ہے اور اس کا پورا ڈھانچہ قانونی مساوات کے تقاضوں کے خلاف واقع ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پروڈا ہمارے ملک میں آہستہ آہستہ نشوونما پانے والی رولنگ کلاس کے ذہن کا ترجمان ہے۔ یہ رولنگ کلاس سے تعلق رکھنے والے مجرمین کو دوسرے مجرمین سے الگ کرتا ہے، ان کو ملک کی تعزیرات کے دائرہ اثر سے باہر نکال لیتا ہے، ان کے جرائم میں بڑی سے بڑی عدالت کو فیصلہ دیتے اور ان پر سزا نافذ کرنے سے روکتا ہے، ان کے لیے عام لوگوں سے جداگانہ سزائیں تجویز کرتا ہے اور ان کے لیے سزے سے طریق کار روائی کو بدل دیتا ہے۔

پروڈا کی وفات اور اس سے متعلقہ قواعد کارروائی میں اصول مساوات کا خون جس طرح کیا گیا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل کے حقائق کا مطالعہ ضروری ہے:-

۱، جن جرائم سے یہ قانون بحث کرتا ہے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے شدید ترین جرائم ہیں اور ان کو عام قانون تعزیرات کے تحت فوجداری جرائم میں شمار ہونا چاہیے تھا۔ رشوت، خیانت، دافتہ بد انتظامی، سرکاری روپے کا ناجائز استعمال، اقربانوازی اور منظور نظر لوگوں کی بے جا پاسداری و جنبہ داری، اور عہدہ دارانہ اثر و رسوخ سے ناجائز استفادہ۔ یہ ایسے اخلاقی جرائم ہیں جن کی زد میں حکومت، سوسائٹی اور مختلف افراد کا صرف ذہنی و اخلاقی مفاد ہی نہیں، عین مادی و مالی مفاد بھی آتا ہے اور چھوٹے پیمانے پر نہیں، بہت بڑے پیمانے پر آتا ہے۔ ان جرائم کا مزاج بالکل وہی ہے جو چوری، ڈکیتی، جیب تراشی، فریب دہی، ایذا رسانی، اور دھاندلی سے حق ماری کرنے کا مجرمانہ مزاج ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مزاج کے جتنے جرائم بھی ہوتے ہیں ان کے خلاف حکومت کی مشینری اول تو از خود، ورنہ کسی شہری کے استغاثے پر فوراً حرکت میں آجاتی ہے۔ چنانچہ ہماری کتاب تعزیرات ایسے ہی جرائم سے بحث کرتی ہے۔ اس کے باب نہم میں معمولی ملازمین حکومت کی رشوت ستانی اور خیانت کو فوجداری جرم کی حیثیت دی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں آخر کیا چیز مانع مٹی کہ وزیر اور دوسرے نمائندہ عہدہ داروں کے ایسے جرائم کو بھی قانون تعزیرات کے تحت جرم قرار دے دیا جاتا ہے اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہے کہ عام شہریوں اور عام ملازمین کے مقابلے میں چونکہ معاملہ رولنگ کلاس کا تھا اس لیے پروڈا آگے بڑھا

اور اس نے اپنے مصنفین کی پوری کلاس کو تعزیرات پاکستان کے حدود سے نکال کر اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔

اس طرح کے جرائم اگر عام لوگ کرتے ہیں تو ان کا نوٹس پولیس لیتی ہے، لیکن انہی کا ارتکاب خواص کے مقدس ہاتھوں سے ہوا ہو تو نوٹس لینا گورنر جنرل یا صوبائی گورنر کا کام ہے۔ وہی جرائم جن کے عام ملازمین مرتکب ہوں تو ضابطہ فوجداری کے تحت کارروائی ہو۔ انہی کا ارتکاب جب خداوندان مملکت اور فضیلت مآب اور عزت مآب حضرات کریں تو معاملہ پروڈاکا کے تحت نمٹایا جائے گا۔ یہ اولین بے انصافی ہے جسے قانون کا مقدس لباس پہنایا گیا ہے۔ مگر اس کی عمرانی کو کوئی لباس ڈھانپنے پر قادر نہیں ہو سکتا!

(۲) شہریوں اور معمولی ملازمین کے خلاف پبلک کو عدالت میں براہ راست استغاثہ دائر کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن جب مجرم اکابر ملک ہوں تو کسی عدالت کو حتیٰ کہ ہائیکورٹ اور فیڈرل کورٹ تک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی شہری کی درخواست کی سماعت کر سکے۔ عدالت ریفریٹنگ اتھارٹی (گورنر جنرل یا صوبائی گورنر) کے فرمان تفویض کے صادر سے قبل انکل بے بس ہے۔ روڈنگ کلاس کے افراد کے خلاف اگر کسی شہری کو شکایت ہو تو وہ اپنی درخواست پہلے گورنر جنرل یا گورنر کے سامنے لائے اور پھر وہاں سے درخواست قابل تحقیقات قرار دی جائے تو مزید کارروائی ہوئی، ورنہ درخواست ڈسمس کر دی جائیگی۔ سوال یہ ہے کہ شہریوں سے یہ حق کیوں سلب کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کسی خادم، یا اپنے کسی نمائندے کے ہاتھوں جب اپنے مفاد کو مجروح ہوتا ہوا دیکھیں تو براہ راست عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں؟

(۳) روڈنگ کلاس کے افراد کے مذکورہ بالا جرائم کے بارے میں بڑی سے بڑی عدالت کا اختیار صرف اس حد تک محدود رکھا گیا ہے کہ وہ تحقیقات کرے گی۔ لیکن ایسے ہی جرائم اگر عام لوگوں سے سرزد ہوں تو ان پر فوجداری مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ پھر عدالت پروڈاکا کے تحت تحقیقات کرنے کے بعد بھی اس کی مجاز نہیں ہے کہ اپنا فیصلہ صادر کرے اور جرم ثابت ہونے کی صورت میں سزا نافذ کرے۔ حالانکہ عام لوگوں کے بارے میں عدالتیں ایسے جرائم پر فیصلے دیتی ہیں اور سزائیں نافذ کرتی ہیں۔ پروڈاکا میں عدالت کا کام اپنے

نتائج تحقیق ریفنگ اتھارٹی کے سامنے پیش کر دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔

ذرا ہم کو پروڈا کے پیچھے کام کرنے والے دماغوں میں سے کوئی (خصوصاً گورمانی صاحب) یہ سمجھا دیں کہ ایک وزیر یا عوامی نمائندہ اگر واقعی عدالت کی نگاہ میں مذکورہ بالا جرائم میں سے کسی کا مجرم ثابت ہو جائے تو وہ کونسی معقول دلیل ہے جس کی بنا پر عدالت کو فیصلہ دینے اور سزا نافذ کرنے سے باز رکھا گیا ہے؟ اس فیصلے اور سزا کے معاملے کو عدالت کے ماتحتوں سے نکال کر آخر انتظامیہ کے حوالے کیوں کیا گیا ہے؟ کیا آپ کو اپنی ہی عدالت پر اعتماد نہیں ہے؟

دہم، عام لوگ اگر اس درجے کے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کو تعزیرات پاکستان کے تحت عدالتیں جیل بھیجتی ہیں۔ لیکن پروڈا کی عدالت وزراء اور پارلیمنٹری سیکرٹریوں اور پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے ممبروں کو ایسے ہی جرائم پر صرف مناصب نمائندگی سے چند سال کے لیے محروم کرنے پر اکتفا کرتی ہے۔ ایک طرح کے جرائم پر عام لوگوں اور خاص لوگوں کے لیے الگ الگ سزائوں کا نفاذ کس منطق سے آخر سزاؤ کی تعریف میں داخل کیا جاسکتا ہے؟ اختیارات کے زور سے قانون تو آپ جیسے چاہیں بنادیں، لیکن محض اختیارات کے زور سے ان کو معقول اور مبنی بر انصاف ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے معقول استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی معقول استدلال ہو تو لائیے، ورنہ ایک لفظ "ایمر جنسی" تو سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں۔

(۵) پروڈا میں ترمیم کرنے والا ۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء کا آرڈی ٹیس اپنی دفعہ ۴، ۵، ۶ کے رُو سے یہ قرار دیتا ہے کہ اگر پروڈا کے تحت درخواست دہندگان میں سے کسی کے خلاف یہ ثابت ہو جائے کہ اُس نے دانستہ غلط الزام لگایا ہے یا جان بوجھ کر کوئی جھوٹا بیان دیا ہے تو یہ ایک ایسا جرم ہو گا جس پر تین سال کی قید یا جرم کی سزا یا دونوں سزائیں اکٹھی دی جاسکیں گی۔ یہی ترمیم اب تعزیرات پاکستان میں شامل کر دی گئی ہے۔ آپ سوچئے کہ اگر مستغیث کا بہتان ثابت ہو جائے تو اس کو تو یہ سزا ملے گی، لیکن اگر اس کا الزام درست نکلے تو اکابر مجرمین کو صرف مناصب نمائندگی سے برطرف کیا جاسکتا ہے، وہ بھی اس صورت میں جب کہ گورنر جنرل ایسا کرنا مناسب سمجھے۔ اس قانون میں یہ کیس نہیں لکھا کہ تحقیقات سے الزامات ثابت ہو جانے کے

بعد اس عمدہ وار پر فوجداری مقدمہ بھی قائم کیا جائے گا اور اسے بھی وہ سزا دی جائے گی جو الزامات غلط ثابت ہونے کی صورت میں جھوٹا الزام لگانے والے کے لیے تجویز کی گئی ہے۔

کیا یہ نشان مساوات ہے؟ اگر واقعی یہ ایسی اسلامی مساوات کا مظاہرہ ہے جس کے ذکر سے قرارداد و مقاصد مزین ہے اور جس کو تقریر عد میں دوہراتے ہوئے ہمارے بڑے لوگ تھکتے نہیں تو پھر نہ جانے عدم مساوات کا اطلاق کس شے پر ہوتا ہوگا!

اسلامی قانون میں ایک ایسی نظیر موجود ہے جسے اس معاملے میں معیار بنایا جاسکتا ہے۔ زنا کی سزا جرم ہے یا سو کوڑے۔ لیکن اتنی سنگین سزا کے ساتھ اس امر کا امکان پیدا ہو رہا تھا کہ لوگ باہمی عداوت کے تحت ایک دوسرے کو ایسی ہولناک سزا دلانے کے لیے زنا کے جھوٹے مقدمات نہ لانے لگیں۔ اس لیے اسلامی قانون نے شہادت کا معیار سخت کرنے کے ساتھ ساتھ زنا کی تہمت لگانے کے لیے بھی بہت سخت سزا مقرر کر دی۔ یعنی اتنی کوڑے! یہاں سے آپ زنا کے واقعی مجرم اور زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے مجرم کی سزا کا تناسب اخذ کر کے اس کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں کہ کیا پروٹا کے تحت بھی اصل جرم اور اس جرم کے بہتان کی سزائوں کا تناسب ٹھیک مقرر کیا گیا ہے؟ ہرگز نہیں!

شریوں کی طرف سے استغاثے پر ناروا پابندیاں | یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ ایک عام شہری کے لیے کسی مرکزی یا صوبائی وزیر، پارلیمنٹری سیکریٹری یا ایم، ایل اے یا کسی دوسرے اونچے عہدہ دار کے خلاف مستغیث بن کر کھڑے ہونا کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ اس میں بے شمار خطرات اس کے سامنے ہوتے ہیں اور موجودہ حالات کے لحاظ سے استغاثے کی کامیابی بہت مشکوک ہوتی ہے کیونکہ استغاثے کا آخری فیصلہ عدالت کے ہاتھ میں نہیں، انتظامیہ کے ہاتھ میں ہے، جس کا ایک پرزہ پیش نظر عمدہ وار بھی ہوگا، اور ناکامی کے معنی جو کچھ ہو سکتے ہیں ان کا اندازہ کرنا بھی مشکل نہیں ہے۔ پھر اس قسم کی غیر معمولی جرأت سے عام لوگ ایسے معاملہ میں تو کام لے سکتے ہیں جن میں براہ راست ان کو کوئی بھاری نقصان پہنچتا ہو یا ان سے کوئی بے انصافی کی جا رہی ہو، لیکن ملک و قوم کے مجموعی مفاد کو نقصان پہنچتے یا پبلک سے عام بے انصافی ہوتے دیکھ کر اس درجے کی جسارت کرنا کم ہی لوگوں کے حصے میں آ سکتا ہے۔

مگر پروڈا نے اتنی بھاری رکاوٹ کے موجود ہوتے ہوئے کچھ اور پابندیاں بھی شامل کر دی ہیں جن کے بعد اس امر کا بہت ہی کم امکان رہ جاتا ہے کہ عام لوگ اپنے اکابر کی بدکرداریوں کے خلاف مستغنیہ ہو جائیں۔ ۶ جولائی ۱۹۸۹ء کے قواعد کی دفعہ ۲ میں قرار دیا گیا تھا کہ پروڈا کے تحت عام شہری جو درخواست دیں اس پر کم سے کم پانچ افراد کے دستخط ہونے چاہئیں۔ دفعہ ۳ کا تعاضیہ تھا کہ درخواست کے ساتھ الزامات کا خلاصہ مرتب کر کے شامل کیا جائے، گواہوں کی فہرست دی جائے اور خلاصہ الزامات کے بارے میں ان کی شہادتیں درج کی جائیں۔ نیز ضروری مسودات کی فہرست مع نفول ساتھ شامل کی جائے دیہاں تک تو خیر، علاوہ بریں یہ بھی ضروری ہے کہ درخواست کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سرکاری خزانے میں ضمانت کے طور پر داخل کر کے اس کی رسید منسلک کر دی جائے۔

۲۷ جون ۱۹۸۹ء کے قواعد کی دفعہ ۴ اور دفعہ ۵ میں یہ پابندیاں قریب قریب جمل کی تول رکھی گئی ہیں۔ پھر اڈل الذکر قواعد میں بھی جو منسوخ ہو چکے ہیں، اور آخر الذکر قواعد میں بھی علی الترتیب دفعہ ۴ شق ۳ اور دفعہ ۹ شق ۱ کے تحت اگر درخواست ریفرائنگ اتھارٹی کی نگاہ میں وثوق حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے وٹس ہو جائے تو ریفرائنگ اتھارٹی ضمانت کی پوری رقم یا اس کے کسی حصے کی منبلی کا حکم دے سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مشکل ہی سے کوئی شہری اتنا جرأت مند ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کے کسی بڑے عہدہ دار کی دشمنی مول لینے کا اقدام کرتے ہوئے اول تو چار مزید جرأت مند ساتھی تلاش کرے، پھر اپنے مال اور وقت کے صرف سے درخواست دینے کے مذکورہ بالا تعاضیہ پورے کرے اور پھر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی پانچ ہزار روپے کی رقم کو خطرے میں ڈال دے!

یہ سب پابندیاں تو جو کچھ تھیں، تھیں۔ لیکن اسی دوران میں ایک ایمر جنسی "یکایک دیائے سندھ سے نکل آئی۔ سندھ میں جو پارٹی بازی اور لیڈروں میں جو کشمکش ہو رہی ہے اس کی وجہ سے کھوڑو کے خلاف پروڈا کے تحت درخواستوں پر درخواستیں دی جاتی رہی ہیں۔ کھوڑو صاحب ایک دو واروں سے بچ نکلے لیکن تیسری مرتبہ پھر وار ہو گیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اصل معاملہ کیا تھا، لیکن یکایک اخبارات نے اطلاع دی کہ مرکز کے سندھی وزیر پیر زاہد عبدالستار کے خلاف پروڈا کے تحت ایک درخواست داغ دی گئی ہے۔

اور دوسرے مرکزی وزیر پر بھی داعی جانے والی ہے۔ اس پر زیادہ وقت نہیں گزارا تھا کہ پروڈاکا ایک نیا ترمیمی آرڈی منس (مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء) مرکز سے جاری ہو گیا۔ یہ آرڈی منس شہری درخواست دہندگان کے لیے مزید رکاوٹیں اپنے ساتھ لایا۔ ان کی رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ تو ”اخفار اور رازداری کی رکاوٹ“ ہے جس پر ہم آگے گفتگو کریں گے۔ لیکن دوسری بڑی رکاوٹ اس ترمیمی آرڈی منس کی دفعہ ۴۴ نے ہم سہیادی ہے۔ ہم اس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس دفعہ کے تحت سے دانتہ غلط بیانی ایک جرم ہے اور اس جرم پر آدمی کو دفعہ ۶ کے تحت ۳ سال تک کے لیے جیل بھیجا جاسکتا ہے یا جرمانہ کیا جاسکتا ہے یا دونوں سزائیں یکدوم دی جاسکتی ہیں۔

اب آپ سوچئے کہ ایک وزیر یا پارلیمنٹری سیکرٹری یا نمائندگی کے منصب پر فائز ہونے والا کوئی عہدار اگر اپنی اسی بدکرداری سے کام لے کر جس کے خلاف فریاد کی جا رہی ہو، گواہوں کو توڑ لے یا کوئی گواہ کرے یا کسی دوسری صورت میں کوئی شہری اپنے عائد کردہ الزامات کو ثابت کرنے سے قاصر رہے تو دفعہ ۴۴ بہر حال اس کے لئے ایک بڑے خطرے کا امکان (یہاں صرف لفظ ”امکان“ ہی سامنے رہے، بن کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔

اس طرح شہریوں کے لیے پروڈاکا کے تحت کوئی درخواست دینا اتنا مشکل بنا دیا گیا ہے کہ اب یہ قانون صرف ”ریفرننگ اتھارٹی“ ہی کے لیے قابل استعمال رہ گیا ہے۔

رازداری اور اخفار | پبلک مناصب پر رہ کر جس ”بدکرداری“ کا ارتکاب کوئی شخص کرتا ہے اس کا بلو رات ضرر پبلک ہی کو پہنچتا ہے۔ اندیس حالات پبلک کا یہ بنیادی حق ہے کہ ایسے استغاثوں کی کارروائیوں سے اسے پوری طرح واقف رکھا جائے۔ وہ جان سکے کہ اس کے کارپردازوں میں سے کس کے بارے میں کیا الزام لگایا گیا، کس نے الزام لگانے کی جرات کی ہے، ابتدائی تحقیقات میں کیا چیزیں سامنے آئیں، ان پر ریفرننگ اتھارٹی نے کیا حکم دیا اور کن دلائل کے ساتھ دیا، پھر عدالت کی تحقیقات کا خلاصہ کیا نکلا، پھر جب عدالت کے نتائج تحقیق انتظامیہ کو لٹانے گئے تو اس نے کیا ریمارک دیے اور کس کارروائی کا فیصلہ کیا، کسی درخواست دہندہ کی درخواست مزید تحقیق کے قابل نہ قرار پائی تو اس کے وجوہ کیا تھے، اور کسی

بیان دینے والے کو اگر وافتہ غلطیانی کے جرم پر سزا دی گئی تو اس جرم کی حقیقت کیا تھی، وغیرہ۔
 یہ چیزیں اگر عین اسی پبلک سے چھپائی جائیں جس کے یہ لوگ نمائندہ ہیں اور جس کے مفاد پر ان کی
 بدکرداریوں کا براہ راست اثر پڑتا ہے، تو یہ اخفاء اور رازداری صرف ”مشتبہ“ ہی نہیں، بلکہ صریح غیر منصفانہ
 بھی ہوگی! ہاں اگر رازداری کا منشا یہ ہو کہ کارروائی کے دوران میں کچھ ایسے امور بھی آسکتے ہیں جن کے برہم
 آنے سے دافع یا خارجی معاملات وغیرہ پر برا اثر پڑتا ہو تو ہم بھی اسے جائز سمجھتے ہیں کہ کارروائی کے لیے
 حصوں کو بند کرے میں انجام دیا جائے، اور ایسا پہلے بھی حکومت و عدالت کے معمولات میں شامل ہے
 مگر پروڈاکس تو رازداری کا دائرہ بڑا وسیع کر دیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو :-

۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء کے ترمیمی پروڈاک کی دفعہ ۲ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ پروڈاک ایکٹ کے تحت ہونے
 والی کارروائیوں سے پبلک کو بے تعلق (Excluded) قرار دیا گیا ہے اور کارروائی
 سے متعلقہ معلومات کو افشاء کرنے اور شائع کرنے کو ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کی خلاف ورزی ایک
 جرم (Offence) ہوگی۔ دفعہ ۳ کا تقاضا یہ ہے کہ ریفرننگ اتھارٹی پر کوئی افشاء راز
 جائز نہ ہوگا، اور نہ کارروائی کے دوران سماعت میں اس پر کسی طرح کی رائے زنی کی اشاعت کی جاسکے
 گی۔ اس دفعہ کی خلاف ورزی کو بھی باضابطہ جرم قرار دیا گیا ہے۔

۲۷ جون ۱۹۷۲ء کے قواعد میں ۲۳ جنوری ۱۹۷۲ء کے حکمنامے (Notification)

سے جو ترمیم اور اضافے کیے گئے تھے ان میں سے ایک کے رد سے ایک مستقل نی دفعہ کئی شقوں اور
 اجزاء کے ساتھ المضاعف کی گئی تھی۔ اس کا منشا یہ تھا کہ پروڈاک اور اس کے تحت ہونے والی وہ تمام
 کارروائیاں جو معاملے کے عدالت (ڈیٹریبونل) میں پیش ہونے سے قبل عمل میں آئیں ان میں خبر اس کے
 کہ ریفرننگ اتھارٹی خود حکم جاری کرے، پبلک کو حصہ لینے کا موقع نہیں دیا جاسکتا۔ نیز نہ تو درخواست دہندگان
 کے اہل فائزوں اور نہ مسل سے متعلقہ کسی شخص کے مندرجہ جات بشمول درخواست متعلقہ دفعہ ۲
 دشہری مستغیث کی طرف سے استغاثہ کی درخواست کو، اور نہ اس طرح کی کارروائی سے متعلقہ کسی بھی

معلومات کو شائع کرنے یا معلوم کرانے کی اجازت ہے۔ پھر عدالت اور ٹریبونل کو بھی یہ دفعہ اختیار دیتی ہے کہ حفاظت رازداری کے دو سر اختیارات کے علاوہ وہ مجاز ہے کہ کارروائی کے جس حصے کو چاہے ساری پبلک یا اس کے کسی حصے سے اخفاء میں رکھے اور کسی متعلقہ مسودے کے مندرجات یا اس سلسلے کی کارروائی سے متعلقہ معلومات کی اشاعت اور ان کے افشاء کرنے کی ممانعت کر دے۔ رازداری کے اس اہتمام کو مکمل کرنے کے لیے اسی دفعہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ ریفرننگ اتھارٹی جن اشخاص اور دفتری عملے کو چاہے خاص طور پر مامور کر سکتی ہے۔

اہتمام رازداری کی یہ آخری حد ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اس قانون کے ٹو سے درخواست دہندہ کی درخواست کے ساتھ جو سلوک بھی رواد رکھا جائے اُس پر جن دلائل سے جو بھی فیصلہ دیا جائے پھر عدالتی تحقیقات جو کچھ بھی ہو اور پھر اس پر ریفرننگ اتھارٹی جو حکم بھی دے، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس سے پبلک واقفیت حاصل کرنے کا حق رکھتی ہو، یا جس کے بارے میں درخواست دہندہ اپنی کوئی فریاد رائے عام کے سامنے لاسکے۔ اس کا منشا آخر اس کے سوا اور کیا ہے کہ رولنگ کلاس کے افراد میں سے کوئی چاہے کتنے ہی بڑے جرم کا اور اپنی ہی پبلک کے خلاف بدکرداری کرنے کا مجرم کیوں نہ ہو اور چاہے وہ پروڈا کی بڑی سے بڑی سرزکیوں نہ پالے، پبلک کو اس کا اہمال تاہم ریفرننگ اتھارٹی کی مرضی کے بغیر معلوم نہ ہونے دیا جائے۔ انتظامیہ کے لیے ان قواعد کے ہوتے ہوئے اس معاملے میں اتنا بڑا اختیار مہیا کر دیا گیا ہے کہ پروڈا کے تحت آنے والے جس عہدار کی سیرت کو چاہے پبلک پر پوری طرح نمایاں کر دے اور جس کی عزت چاہے بچالے، اس کا وار و مدار صرف اس امر پر ہے کہ رولنگ کلاس کا کوئی فرد مرکزی اقتدار کا نیا ذمہ ہے اور کون اس کے یہ ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔ اسی لحاظ سے جب ضرورت ہوگی پر وہ اٹھایا جائے گا اور جب مناسب سمجھا جائے گا گرا دیا جائے گا۔

خلاصہ | اوپر کے اشارات کی روشنی میں اگر پروڈا اور اس کے متعلقہ قواعد کارروائی پر غور کیا جائے تو انصاف یہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ مقدمہ چلائے جانے کے مستحق ہیں وہ خود پروڈا کے منتہین

ہیں۔ کیونکہ قانون سازی کے اختیارات سے ناجائز قائدہ اٹھانے کی اس سے زیادہ گمنافنی مثال شاید دنیا کی تاریخ قانون سازی میں کہیں نہ ملے گی۔

اس تجربہ کا نشانہ تو یہ ہے کہ ایک مقالہ لکھا جائے اور شائع ہو جائے، نہ یہ ہے کہ محض اپنے حکمرانوں پر تنقید کر کے دل کا بخار نکال لیا جائے، بلکہ ہم اپنے عوام میں یہ احساس بیدار کرنا چاہتے ہیں کہ ملک میں ایک ایک کر کے جو قوانین بن رہے ہیں وہ اسی غلط قسم کے تصویر انصاف اور طرز قانون سازی پر مبنی ہیں جس کا ایک منظر پروڈاکا ہے۔ یہ قوانین آہنی زنجیریں ہیں جو ایک ایک کر کے ہمارے حقوق شہریت کے اعضا پر لپٹ رہی ہیں۔ ان زنجیروں کو مبرو سکون سے گوارا کر لینا سخت خطرناک ہے، کیونکہ آگے چل کر جب ان کا بوجھ محسوس ہو گا اور ترقی کی طرف بڑھنے میں جب یہ رکاوٹ بنیں گی تو اس وقت ان کے چنگل سے نکلنا ممکن نہ ہو گا۔ ان زنجیروں کی کڑیوں کا ڈھلتے چلے جانا اور ہماری آزادی اور ہمارے حقوق کے ماتھے پائل جکڑتے چلے جانا بالآخر ایک ناقابل تبدیل ڈکٹیٹر شپ پر منتج ہو گا۔

پروڈاکا اور سیفٹی ایکٹ اور سیکورٹی ایکٹ جیسے قوانین گوارا کر لے جانے والی قوم کے بارے میں دنیا میں تو یہی رائے قائم کی جائے گی کہ یہ سوچنے سمجھنے والے اور حساس انسانوں کی قوم نہیں ہے بلکہ پھر ڈکٹیٹریوں کا ایک گٹھ ہے جسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ ہر کیا رہا ہے۔

دواہم تقریریں

مسلمانوں کا ماضی و حال	•	ہمارے
آؤ مستقبل کے لیے لائحہ عمل	•	داخلی و خارجی مسائل
رعایتی قیمت ۵	•	رعایتی قیمت ۱۳

مفت عام اشاعت کے لیے ایک وپیہ میں چار سٹ

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان - اچھرہ - لاہور